تھائی لینڈ کا ناول

ساون دیس

پیرا سدھم

ترجمہ :- شفقت تنویر مرزا

مشعل

MashalBooks.org

ساون دیس

پیر اسدھم
ترجمہ: شفقت تنویر مرزا

مشعل
آر بی ۵ سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور۔54600 پاکستان

MashalBooks.org

ساون دیس

پیر اسدھم
اردو ترجمہ: شفقت تنویر مرزا

کاپی رائٹ © انگریزی 1988 پیر اسدھم
کاپی رائٹ © اردو 2000 مشعل

ناشر: مشعل
آر بی ۵، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600 پاکستان
فون و فیکس 042-35866859
E.mail: mashbks@brain.net.pk

MashalBooks.org

پیش لفظ

کبھی سیلاب، کبھی خشک سالی، کبھی سیم وتھور کی تباہی کہ زرخیز زمین دیکھتے دیکھتے بنجر ہو جائے، برسوں سے کاشت کی جانے والی زمین سے اچانک بے دخلی، قرض ادا نہ کرنے پر ساری جمع پونجی سے محرومی، پھر قمار بازی، لڑائی جھگڑے اور گبھرو جوانوں کے قتل۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اچھی زندگی گزارنے کی خواہش، بہتر مستقبل کے خواب اور ان خوابوں کی تعبیر کے لیے گاؤں سے شہر اور شہر سے دوسرے ملک کے لئے جلاوطنی۔ یہ ہے کہانی تھائی لینڈ کے ممتاز ناول نگار پیرا سدھم کے ناول ''ساون دیس'' کی۔

لیکن یہ کہانی صرف تھائی لینڈ کی تو نہیں ہے۔ یہ کہانی تو ان تمام پسماندہ ملکوں کے عوام کی ہے جو صدیوں سے غربت و افلاس کی چکی میں پس رہے ہیں۔ جنہیں خواب تو بہت دکھائے گئے لیکن تعبیر کسی ایک کی بھی نہیں ملی۔ یہ لوگ روشن مستقبل کی تعمیر کے لیے دیہات میں ہی پڑھتے لکھتے ہیں۔ اپنے آپ کو اس قابل بناتے ہیں کہ اپنے دیس سے باہر ترقی یافتہ ملکوں میں جا کر ڈھیر سی دولت جمع کر سکیں۔ وہ غیر ملکوں میں خوش حالی کی زندگی بھی حاصل کر لیتے ہیں لیکن وہ اپنی جڑوں سے نہیں ٹوٹ سکتے۔ اپنے ماضی کو تو جڑ سے اکھاڑ کر نہیں پھینک سکتے۔ انہیں اپنا گھر یاد آتا ہے، اپنے ماں باپ، بہن بھائی، عزیز دوست ور دشمن یاد آتے ہیں۔ انہیں یاد آتے ہیں وہ کھیت کھلیان جہاں انہوں نے اپنا بچپن اور لڑکپن گزارا تھا۔ انہیں یاد آتا ہے وہ تالاب جس میں وہ نہایا کرتے تھے، وہ بھینس جس چڑھ کر وہ کھیتوں کی طرف جیا کرتے تھے۔ اب انہیں بلاتا ہے ان کا دیس، ان کی مٹی، اس مٹی کی خوشبو اور پھر یہی کشمکش ان کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔

پیرا سدھم تھائی لینڈ کے سب سے محترم ناول نگار ہیں۔ ان کا نام نوبیل انعام کے لئے بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ وہ تھائی لینڈ کے شمال مشرقی علاقے ایسم کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن دھان کے کھیتوں میں گزرا جہاں وہ بھینسیں چرایا کرتے تھے۔ وہ

MashalBooks.org

کہتے ہیں

''ہماری زندگی فطرت کے رحم وکرم پر تھی سیلاب، خشک سالی، وبائیں اور قحط ہماری زندگی کا جزو تھے۔ ہم اپنی تقدیر کے غلام تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ ان حالات سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں اپنے لوگوں کی فراخ دلی ان کی محبت اور ان کی جہالت کے ساتھ ان کی خودغرضی اور بے ایمانیوں کو بھی جانتا تھا۔ میں دکانداروں، آڑھتیوں اور کسانوں کی بد دماغی سے بھی واقف تھا۔ میں نے بچپن میں جو کچھ دیکھا اور سیکھا وہ میرے جسم و جان کا حصہ بن گیا۔''

چودہ سال کی عمر میں پیراسدھم اپنا گاؤں چھوڑ کر بنکاک چلے گئے جہاں انہوں نے یونیورسٹی تک تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کی پیاس انہیں نیوزی لینڈ لے گئی۔ جہاں انہوں نے وظیفہ حاصل کر کے تعلیم پائی۔ نیوزی لینڈ میں ہی انہوں نے اپنا پہلا افسانہ لکھا جو وہاں کے سہ ماہی رسالے Landfall میں چھپا، افسانوں کا پہلا مجموعہ Siamese Drama کے نام سے 1983 میں چھپا، دوسری کتاب ''ایسم کے لوگ'' کے نام سے 1987 میں چھپی۔

پیراسدھم انگریزی میں لکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں انہیں اپنے اظہار کے لئے انگریزی زبان ہی موزوں معلوم ہوتی ہے۔ وہ دس سال آسٹریلیا، ہانگ کانگ اور انگلستان میں رہے۔ انہوں نے اپنا ناول ساون دیس (Monsoon Country) انگلستان میں ہی لکھا۔ آج کل وہ تھائی لینڈ میں رہتے ہیں اور اپنا وقت بنکاک اور اپنے گاؤں عیپو میں گزارتے ہیں۔ وہ اپنے گاؤں میں بہت سے فلاحی ادارے چلا رہے ہیں۔

ش۔ت۔م

MashalBooks.org

مارچ 1954ء

گھوڑے والے سال بونلیا نگ سُرین نے چھٹے بچے کو جنم دیا' لڑکا تھا۔ بچے کی مبارک پیدائش کے بعد ساسن کی بارشوں نے گاؤں نیپو کی نئی بہار دینا شروع کی۔ گرمیاں ختم ہوئیں اور ساون شروع ہوا۔ مینہ جو خوشحالی کا پیغام دیتا' شب و روز پڑتا رہتا۔ دوسرے دیہاتیوں کی طرح سُرین کنبہ بھی دھان کے کھیتوں کو بڑی امید اور خوشی کے ساتھ دیکھتا۔ کھیت پانی میں ڈوبے ہوئے تھے اور اب ان میں لابیں لگ سکتی تھیں۔ بوائی کا موسم آن پہنچا۔

بچے کی آمد کو نئے موسم کے لیے مبارک سمجھا گیا۔ اس کے والدین نے اس کا نام پریم رکھا۔ مطلب خوشی۔ مناسب وقت دیکھ کر کم سرین گاؤں کے چودھری کے پاس گیا، اس کے سامنے بڑی عاجزی کے ساتھ لکڑی کے فرش پر بیٹھا اور بولا: ''ہمارے ہاں ایک اور بچہ آیا ہے۔ ہم نے اس کا نام پریم رکھا ہے۔''

عزت تکریم والا چودھری فرش پر سہارا لے کر بیٹھا تھا۔ گرمی کی وجہ سے آدھا دھڑ کپڑوں کے بغیر تھا اور زور زور سے کھانستا بھی جاتا تھا۔ اس نے کمر کے گرد کپڑے کو ٹھیک کرنا شروع کیا تو یوں لگا، گویا وقت ٹھہر گیا ہے۔ اس کے جھریوں بھرے چہرے سے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ سوتے میں اٹھانا اسے برا تو نہیں لگا۔ بہرطور وہ چوکڑی مار کر بیٹھ گیا اور قریب پڑے اگلدان میں تھوکنے لگا۔ پھر مڑی تڑی اور کانپتی انگلیاں کئی بار چہرے اور سلیٹی بالوں میں پھیریں، تاکہ ٹھیک ٹھاک نظر آئے۔

چودھری دراصل حکام کا نمائندہ تھا، اس لئے اسکی شان اوراونچی تھی۔

''اگلے روز میری بیوی۔۔۔'' کم کی زبان لڑکھڑا گئی۔ ڈرا کہ یہ وقت یہ بات کرنے کا نہیں، اس نے اپنے لفظ دبا لیے، خاموش رہنے کا فیصلہ کرلیا تا آنکہ بوڑھا اس کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

”تمبا کو اور میری قمیض لاؤ۔۔۔“ چودھری نے تحکم سے کہا۔

چودھری کی آواز میں رعب تھا۔ کم تھوڑا پریشان ہوا۔ ادھر گھر کے اندر کسی کے حرکت کرنے کا احساس ہوا اور پھر کسی کے چلنے کی وجہ سے لکڑیوں میں چر چراہٹ پیدا ہوئی۔

”تم بڑے خوش قسمت ہو، ایک اور بیٹا مل گیا۔“ چودھری بولا۔

نئے جنم لینے والے بچے کے باپ نے چودھری کی آواز میں مایوسی کی ایک لہر محسوس کی۔ چودھری کو بھی ایک بیٹے کی ضرورت تھی۔ اس وقت تک اسکے ہاں صرف لڑکیاں ہو پیدا ہوئیں اور اب اس کی بیوی کی عمر ہی گزر چکی تھی۔ اسی خیال کے تحت کم نے بیٹا پیدا ہونے کی اطلاع خاصی احتیاط سے دی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر لفظ لڑکا نہیں کہا تھا۔ بچہ کہا تھا تا کہ اس حاکم کو اس کی بدقسمتی اور محرومی احساس نہ ہو۔ عام خیلال یہ تھا کہ اگر کسی کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوتی تو دراصل یہ قدرت کی طرف سے سزا ہے۔ اس برے عمل کی جو ماضی میں اس سے سرزد ہوا۔ کم بھی نیپو گاؤں کے دوسرے کسانوں کی طرح ایک عام کسان تھا اور لڑکے کی پیدائش کے حوالے سے وہ چودھری کے مقابلے میں خوش قسمت ہونے کا احساس نہیں دلانا چاہتا تھا۔

چودھری کی بیوی اندر باورچی خانے میں بیٹھی کوئلوں میں پھونکیں مار رہی تھی، جو راکھ اس پر پڑی تھی اب اسے جھاڑ رہی تھی۔ اب بوڑھے چودھری نے کالی سوتی قمیص پہنی، قمیص خاصی پرانی تھی اور اس پر گرد بھی جمی تھی۔ اس نے پہلو بدلا اور اندراج کا ضخیم رجسٹر پکڑا، جسے وہ اکثر تکیے کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ یہ رجسٹر بھی بہت پرانا اور بوسیدہ تھا، اس کے وزن اور سائز کے سبب بوڑھے کے سوکھے سڑے ہاتھ کانپنے لگے، اب رجسٹر کھول کر اس نے ورق الٹنے شروع کیے اور سر کو جھکا لیا تا کہ لکھا ہوا پڑھ سکے۔

”ہوں، اب تو نظر بھی دغا دے رہی ہے۔“ وہ منمنایا۔

مگر اس کے اختیارات اسے طاقت دیتے تھے، اس کے چہرے پر وہی حاکمانہ سنجیدگی آ گئی۔

”نام پریم ہے۔“ کم نے مضبوط لہجے میں کہا اور سوچا کہ بس ابھی اتنا ہی کہنا چاہیے۔ اسی اثنا میں چودھری اس صفحے پر پہنچ گیا، جہاں بچے کی تاریخ پیدائش، جنس اور نام لکھا جاتا تھا۔ اب کم نے ذرا اعتماد کے ساتھ بچے کا نام اور تاریخ پیدائش دہرائی۔ اس نے ہر لفظ پر رکنے کی

MashalBooks.org

خاصی کوشش کی تھی کیونکہ اوہ جانتا تھا وہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔

چودھری کی بھی کیفیت زیادہ مختلف نہیں تھی، وہ کچھ خاص لفظ لکھ پڑھ سکتا تھا۔ لفظ آہستہ آہستہ اور مشکل سے لکھتا تھا۔ اس لیے کم کو بھی بار بار دہرانا پڑا۔ تاہم وہ چودھری کے زیادہ قریب نہیں ہوا، نہ آگے کو جھکا۔ بیٹے کے باپ کی خواہش تو بہت ہوتی ہے کہ وہ آگے بڑھ کر بیٹے کے نام کو لکھا ہوا دیکھے مگر کم نے اس ضمن میں بڑی احتیاط کی اور احتراماً چودھری سے دور ہی رہا۔

اب چودھرانی آ گئی ، بڑے سکون کے ساتھ ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی، خاموشی سے۔۔۔۔اس کے خاوند کی سرکاری حیثیت کا تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہے۔

وقت ایک بار پھر ٹھہر گیا۔ آخر کار چودھری بولا: ''اچھا نام ہے۔'' اس پر موجود دونوں افراد نے سکھ کا سانس لیا۔

''گھوڑے والے سال اور صبح کے وقت پیدا ہوا ہے، بڑی آسانی سے پڑھ لکھ جائے گا، دماغ بھی گھوڑے کی طرح تروتازہ ہوگا۔'' بوڑھے نے پیش گوئی کی۔

باپ نے چودھری کو پیسے دینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس کے ساتھ اس نے ممیا کر چودھری کو پیش گوئی کو قبول کیا۔ کم ازل سے غریب تھا اس لیے ڈر رہا تھا کہ جتنے پیسے وہ چودھری کو دے رہا ہے کم نہ ہوں ۔ چنانچہ وہ پیسوں کے علاوہ اپنے ساتھ کھیروں کی ٹوکری اور بہت بڑا کدو بھی لے کر آیا تھا۔

''لیانگ اور بچہ کیسے ہیں۔'' چودھرانی نے پوچا۔ اس کی آواز ٹوٹی پھر سنبھلی اور بلند ہوئی جیسے اسے ابھی دوبارہ زندگی ملی ہے۔

''لیانگ اچھی ہو رہی ہے، بچہ بھی ٹھیک ہے۔'' کم بولا۔

چودھرانی کو طرف سے بیوی بچے کے بارے میں خیریت پوچھنے پر کم بڑا ممنون ہوا۔ یوں لگا جیسے اب قانون کی نظر میں اس کے بیٹے کے وجود کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا۔ مگر چودھری کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ تھوڑا پریشان ہوا۔ پریشانی یہ تھی کہ پیدائش کے بعد کمزور سے بچے نے اب تک آنکھیں نہیں کھولی تھیں اور ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلائے تھے، یہ کوئی آواز نکالی تھی۔ لیانگ سرین زیادہ دیر آگ کے پاس رہتی اور جلد صحت یاب ہونے کے لئے جڑی

MashalBooks.org

بوٹیوں کا قہوہ پیتی رہتی۔ اسے اندر ہی اندر یقین تھا کہ اس کے بچے کو کچھ نہیں ہوا، وہ ٹھیک ہے۔ وہ بچے کو دودھ بھی پلا رہی تھی اور جسم کو گرمی بھی دے رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ بچہ زندہ بھی رہے گا اور پلے بڑھے گا بھی۔

سب سے بڑے بیٹے کیا نگ بھی ننھے کے پاس کھسکتے ہوئے کہا: ''میں اسے مینڈ کی مینڈک کا بچہ کہا کروں گا۔'' کیا نگ گاؤں کے پرئمری سکول میں پڑھتا تھا اور املا والی کتاب میں اس نے مینڈک کے بچے کے بارے میں سبق پڑھا تھا۔ ماں نے اس نئے نام کے بارے میں کچھ نہیں کہا اور پھر کیا نگ اٹھ کر چلا گیا۔ جب وہ قہوے کی چسکیاں لے رہی تھی تو اس نے دیکھا کہ ننھے ننھے ہاتھ ہوا میں لہرا رہے ہیں اور اسے مینڈک کے بچے، بہت چھوٹے سے بچے کی یاد آ گئی۔ اس نے خود آہستہ سے کہا: ''مینڈک۔۔۔'' ہونٹوں پر لفظ کا مزا دیکھنے کے لئے اور پھر وہ مسکرا دی۔

چند سال گزر گئے، مینڈ کی بڑا ہو تو گیا مگر چپ چاپ اور بزدل سا۔ نیپو کے لوگوں نے اسے گونگا کہنا شروع کر دیا۔ بچے کی اس نئے نام پر لیا نگ کو کوئی فکر لاحق نہ ہوئی، نہ اس نے برا مانا۔ اس نے سوچا کہ شاید یہ کمی بچے کے کسی اپنے ہی کرموں کی سزا ہو، لیکن جب کبھی اور اس کی خاموشی یا اس کی طرف سے ردعمل نہ ہونے پر ناراض ہوتی تو غصہ میں کہتی: ''تم یقیناً گونگے ہو گے۔'' اور یہ لفظ ماں کے دل کو چیر جاتے۔ آہستہ آہستہ ماں اور بچے دونوں نے یہ نام قبول کر لئے۔ صرف بڑی بہن پیا نگ کو کسی بھی صورت یہ نام قبول نہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا منا بھائی گونگا بہرا نہیں ہے۔

''اسے گونگا مت کہو، یہ گونگا نہیں ہے۔''

''نہ نہ پیا نگ وہ ایسے ہی بے زبان ہے، جیسے درخت۔'' ایک سہیلی نے جواب دیا۔

''بھینس کی طرح۔'' دوسر بولی۔

''وہ مجھ سے کبھی کبھی بات کرتا ہے۔'' پیا نگ نے با آواز بلند کہا۔

اسے اس بات پر گمان تھا کہ ہر چند وہ اس سے کوئی بات نہیں کرتا وہ اسے سمجھتی ضرور تھی۔

''تو پھر بلاؤ اسے'' گرمی دانوں سے بھری ایک لڑکی نے کہا۔

پیا نگ پاس ہی کھڑے گم سم بھائی کی طرف مڑی اور کہا کچھ تو بولو' مگر ان تلوں میں تیل

کہاں۔

''وہ گونگا ہے، گونگا ہے، گونگا، گونگا''

چپ گونگا جیسے دھان کا کھیت۔۔۔ سچ گونگا ہے وہ۔ ٹا، لا، لا، لا۔۔۔۔لڑکیوں نے گانا ناچنا شروع کر دیا۔

پیا نگ غصے میں جل رہی تھی اور منتظر تھی کہ نکلیں اتارنے سے تھک جائیں۔اس کے بعد اس نے اس لڑکی کو آنکھ کا نشانہ لے لیا اور اپنے ناخن اس کے گوشت میں گاڑ دیئے، پھر اس نے دوسری لڑکیوں کا رخ کیا جو چیختی چلاتی اپنی باڑوں کی طرف بھاگیں۔

لیا نگ اپنے جھونپڑے سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی، اس نے اپنا سرونگ باندھا اور انصاف کرنے آ گئی۔اس نے بیٹی کو پکڑ کر خوب مارا۔

''اگر تم دوسروں کے ساتھ آرام سے نہیں کھیل سکتی تو ان سے دور رہو، اس کی آواز گھگیا گئی۔ پیا نگ روئی نہیں مگر اس نے منہ پھلا لیا۔ اس نے بھائی کا ہاتھ پکڑا اور آم کے درخت کے نیچے جا بیٹھی۔ کچھ خنکی ہی تھی اور زمین بھی خشک اور ریتلی۔ پیا نگ نے شہادت کی انگلی سے ریتلی زمین پر نقش بنانا شروع کیے۔ منے کو اچھا لگا۔اس نے بھی بہن کی طرح لکیریں کھینچنی شروع کر دیں۔ پیا نگ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور وہ اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھی کہ وہ خاموش اور پرسکون ہو جائے۔ وہ سوچنے لگی کہ اگلے روز مینڈ کی کیا آوازیں نکال رہا تھا۔ یہ آوازیں اس نے خود سنی تھیں؟ کیا یہ اس کا کوئی انداز تھا، یہ بتانے کا کہ اس روحوں کو گزرتے دیکھا ہے یا وہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ پچھلے جنم میں ایک بھینس کی جون میں تھا؟ مگر اب تو لفظ اس کی زبان پر بھی آسانی سے نہیں آ رہے تھے۔ آنسوؤں سے چہرہ تر ہو گیا۔ اس کیفیت میں ننھے نے سوچا بہن کو تسلی دینے کی ضرورت ہے۔اس کے بازو پر جو خراشیں آئی ہیں، ان پر نرمی سے ہاتھ پھیرنے سے درد دور ہو گا اور مسخرانہ لالالا والی بات بھول جانی چاہیئے۔

کیا نگ بھی مینڈ کی کے آ جانے سے خود کو خوش قسمت سمجھتا تھا۔ اسے ایک بھائی کی ضرورت تھی، کیونکہ پہلے تین بھائی پیدا ہوئے مگر مر بھی گئے۔ اب اسے مینڈک مستقبل میں اپنا بازو بنتا نظر آتا تھا۔ کیا نگ کو اس کی زیادہ پرواہ نہیں تھی کہ بھائی گونگا ہو گا، اسے فکر تھی کہ کہیں

کمزور نحیف نہ ہو، اسے یہ پرواہ نہیں تھی کہ لوگ بھائی کو کیا کہتے ہیں، اسے خوشی تھی کہ بھائی تو ہے، جوان ہوں گے تو دونوں ساتھ ساتھ کھیتوں میں کام کیا کریں گے، زمین پر جان ماریں گے اور والدین کی خبر گیری کریں گے۔

کبھی کبھی کیا نگ کو ڈر لگتا کہ واقعی یہ بچہ کسی بدروح کے سایے میں نہ ہو یا اسے بھی وہی بیماری نہ ہو جس میں بدروحوں نے اس کے تین چھوٹے بھائیوں کی جان لے لی تھی اور پھر کیا نگ سوچتا کہ گونگا بچ جائے گا؟

ایک دن جب دونوں بھائی دھان کے کھیت میں اکٹھے تھے تو کیا نگ نے بھائی سے کہا: ''میں تمہیں بھینس کی سواری سکھاؤں گا۔'' پریم بھینس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس وقت تک وہ بات سن اور سمجھ لیا کرتا تھا۔

''پہلے مجھے دیکھو۔'' یہ کہہ کر کیا نگ بھینس کی پچھلی طرف سے کود کر اس کی پشت پر جا بیٹھا۔ سدھے سدھائے جانور نے بیزاری کا اظہار کیا، نہ کوئی احتجاج، بس خاموشی سے گھاس چرتی رہی۔

کیا نگ نے مینڈکی سے کہا: ''دیکھو، اب دونوں ٹانگوں کو دباؤ تا کہ وہ چل پڑے۔ اگر گھٹنوں یا ایڑی سے مارو تو یہ دوڑ پڑے گی اس طرح۔'' کیا نگ کی ٹانگیں ہلنے لگیں، اس نے بھینس پر کنٹرول کر رکھا تھا۔ بھینس نے گھاس پر پورا منہ مارا اور خراٹا سا لیا۔ کیا نگ نے رسی کا چپانٹا مارا۔ بھینس نے سر کو جھٹکا دیا اور چل پڑی، کیا نگ نے منہ سے بھی مانوس آوازیں نکالیں، جنہیں بھینس سمجھتی تھی اور پھر وہ چلتی چلتی ننھے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

کیا نگ سرک کر نیچے آ گیا اور کہنے لگا: ''دیکھا میں نے یہاں سے چھلانگ لگا کر اس پر بیٹھ سکتا ہوں۔'' دبلے پتلے پھرتیلے کیا نگ نے بھائی کی طرف آیا کہ وہ اس کی بات سن بھی رہا ہے کہ نہیں۔

پھر کہنے لگا: ''تم اس کی دم پکڑو، اس کی پچھلی ٹانگوں پر پاؤں رکھو اور کود کر پشت پر جا بیٹھو۔ لو اب کرو بسم اللہ۔''

لڑکے نے لحیم شحیم جانور کے لمبے اور نوکیلے سینگوں پر نظر کی، پھر اس کے جثّے پر:
''چلو آؤ کرو کوشش۔'' کیا نگ نے آخری بات کی۔ ''دم پکڑو، پاؤں پچھلی ٹانگ کے جوڑ

پر رکھو اور زور لگا کر اوپر۔'' اب کیا نگ نے ایک طرف کھڑے ہو کر دیکھنا شروع کیا۔ بھینس بغیر کسی تردود کے گھاس چر رہی تھی اس کی سیاہ جلد کھردرے بالوں سے کیچڑ کی بو آ رہی تھی۔ بچہ بھینس کی ٹانگ کے ساتھ لٹک گیا مگر اسے خود اپنی طاقت کا اندازہ نہیں تھا، بھینس چل پڑی اور وہ گر پڑا۔ کیا نگ نے بھینس کو تھپکی دی، کھڑا کیا اور بھائی کو اس کے اوپر چڑھا دیا۔

''یہ بات ہوئی نا، آسان ہے نا؟''

بھینس نے سر موڑ کر دیکھا، بچہ ہے کہ نہیں۔ اس کی آگے کو بڑھی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں گھومنے لگیں۔ کیا نگ نے جب اس کو تھپکی دی تو اس نے اپنے موٹے سر کو جھٹکا دیا۔ کانوں کی تال کی تال بجائی اور چل پڑی، پھر رک گئی کہ اب کیا حکم ہے۔

کیا نگ نے بھائی سے کہا: ''اسے چلاتے رہو''

مگر مینڈ کی تو پہلے ہی دل چھوڑ چکا تھا۔ اس لئے بے بس نظر آ رہا تھا۔ اتنے بڑے جانور پر بھال کیسے حکم چلایا جا سکتا ہے۔ اب اس نے محسوس کی کہ وہ بھینس کی رحم و کرم پر ہے۔ وہ بے بس ہے پھر وہ اس پر کنٹرول کیسے کر سکتا ہے۔

چلو، چلو اسے بھی چلاؤ۔'' کیا نگ نے ایک بار پھر کہا۔

کیا نگ کے انداز سے یوں لگا جیسے وہ مانوس ہو گیا ہے۔ بھینس نے اپنے سوار کی پرواہ کیے بغیر واپس جا کر پھر گھاس چرنا شروع کر دی۔ کیا نگ کو بھائی پر بڑا غصہ آیا، اس کی خاموشی پر، اس کے تاثرات سے عاری چہرے پر اور ہونٹوں پر، جو کسی زبان سے آشنا نہ تھے۔ اس نے غصے میں آ کر بھینس کو دو ہنٹر مار دیا، جس پر بھینس گھبرا کر بھاگی اور بچہ نیچے گر گیا۔

اس وقت کیا نگ کی اس حرکت پر سرزنش کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کی مردانگی نے اجازت نہ دی کہ وہ گرے ہوئے بچے کو پاس جا کر دیکھے کہ اسے چوٹ تو نہیں آئی، اس کے برعکس وہ بھاگتی ہوئی بھینس کے پیچھے گیا جو نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

''آؤ اب گھر چلیں۔'' کیا نگ نے ایسے کہا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

جب کیا نگ کا غصہ اور مایوسی ختم ہوئی تو اس نے ایک بار پھر چھوٹے کو بھینس پر سوار کرایا ور پھر خود کود کر بھائی کے پیچھے بیٹھ گیا اور اسے بازوؤں گھیرے میں لے لیا اور پھر دونوں بھائی بھینس پر سوار گاؤں نیپو کی طرف روانہ ہوئے۔

جون 1958ء

پیا نگ بولی: ''اب کے ساون خود برسے گا۔''
اور بھینسوں کے گلے میں سنسنی دوڑ گئی، گویا انہوں نے بھی پیا نگ کی پیش گوئی کی تصدیق کر دی ہے۔ پریم بھی گلے کے پاس ہی تھا، اس نے نے دیکھا کہ بھینسوں پر اس بات کا اثر ہوا ہے۔ وہ بات کو سمجھ گئیں اور خوش نظر آئیں۔ اس نے پھر آسمان کی طرف دیکھا اور جان گیا کہ ساون بہت قریب ہے۔

بت بت بتاؤ، م میم مجھے، ت ت تمہیں ک ک کیسے مومومولوم ہے، وہ دھوپ میں آنکھیں سکیڑے ہوئے ہکلایا وہ کچھ اور ہی کہنا چاہتا تھا، مگر لفظوں نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ پریم نے بولنے کی کوشش کی تھی، ہونٹوں سے ایسی آوازیں نکالی تھیں جو دوسروں کی سمجھ میں آسکیں۔

پیا نگ اب بھی بادلوں کو دیکھ رہی تھی اور لگتا تھا کہ پریم نے جو کچھ کہا اس نے سنا ہی نہیں تھا۔ بادل جو جو شکلیں بدل رہے تھے وہ ان سے اچھے اچھے شگن نکالنے میں مگن تھی۔ اس نے فخریہ انداز میں یہ بھی سمجھا کہ وہ پریم سے کہیں زیادہ بڑی ہے اور یہ کہ گزشتہ سال اپنی کلاس میں اول بھی آئی ہے۔

آخر پیا نگ کہنے لگی: ''وہ اس بادل کو دیکھو، صحت مند عورت جیسی شکل ہے نا؟ وہ بارش کی دیوی ہے! وہ ادھر بدروح ہے۔ خشک سالی کی، کمینی اب کمزور ہو رہی ہے۔''

بادلوں کی بے ڈھنگ اور بے تکی شکلیں اور سائے دیکھتے ہوئے پریم کو ان میں بہت ہی خوبصورتی نظر آئی۔۔۔۔خوبصورتی جسے بیان ہی نہ کیا جا سکے۔ پیا نگ آسمانوں کی شاعری بھی پڑھ سکتی ہے؟ اس نے سوچا اور پھر آسمانوں شکلیں بدلتی سائے تبدیل کرتی بے پناہ خوبصورتی

سے پریم کے جسم میں سردی کی لہر دوڑنے لگی اور اس نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔

''ڈو۔۔۔'' یہ آواز پریم کے منہ سے نکلی تو پیا نگ نے سمجھا کہ دراصل پریم نے کہا ہے:''دیکھو۔'' وہ خاموش ہو گئی جیسے اس کے بھائی نے کوئی ممنوعہ حرکت کر دی ہے۔ ہوا تیز ہو گئی ۔جنگل کے کنارے، تربوزوں والے خشک کھیت میں گرد باد اٹھا، گھومتا چکراتا ہوا گرد اور خشک پتے اڑاتا۔

''اسے مارو ہوا، مہربانی کرو، جاؤ جاؤ۔'' پیا نگ نے دعا کی۔

ان منحوس چیزوں میں اندھیرے کی طاقت کو نہ نکھارو، یہ دیکھو، نہ برا کہو کے عقیدے کے مطابق پیا نگ نے بھائی سے کہا کہ وہ ایسی چیزوں کے بارے میں زبان بند رکھے۔ دھنک کی طرف بھی اشاررہ نہ کرے ورنہ شہادت کی انگلی جھڑ جائی گی۔ پیا نگ سنجیدہ ہو گئی اور اس نے بھائی سے بھی ایسی ہی سنجیدگی کو توقع کی۔ منحوس چیزوں، غیبی چیزوں اور بھوت پریت کو کچھ نہ کہو۔ بس ان کے راستے سے ہٹ جاؤ، نہ آنکھیں دیکھیں، نہ کان سنیں اور نہ منہ سے ان کے بارے میں کوئی کلمہ نکلے۔

کہیں بجلی چمکی اور بادل گرجا۔

''او میرے رب خداوند خدا، زمین وآسمان کے سچے مالک۔'' پیا نگ دعائیں کرنے لگی۔

پھر آسمانوں کی گرج میں اس کی آواز ڈوب گئی ،۔ کچھ دیر وہ چپ ہو گئی جیسے مراقبہ میں آنکھیں بند کرلی ہوں ۔ پھر جب آنکھیں کھولیں، کھیتوں پر نگاہیں دوڑائیں اور چیخ چیخ کر لڑکوں ،لڑکیوں کو بلانے لگی، بھر چاروں طرف سے جواب آنے لگا اب اکٹھا ہونا ضروری تھا۔

ہوا، آندھی بن گئی ۔اس کے پرکشش چہرے پر اس کے لمبے گھنے بال لہرانے لگے، ایسے میں وہ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ اسی حال میں بارش کا انتظار کرنے لگی۔ پرشور ہوا نے وہاں موجود ہر شے میں بجلی سی دوڑا دی ،بھینسوں نے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ پام کے درختوں ، ڈنٹھل اور پتے گرنے لگے ، چمگادڑیں چور مچاتی اندھیرے میں اڑنے لگیں۔ بادل اور نیچے آ گئے، سرمئی پردوں کی صورت اور پھر پگھلنے لگے۔

لڑکے پام کے گرے پتے اٹھانے بھاگے، تا کہ بارش سے بچنے کے لئے سروں پر تان لیں اور بالکل چھوٹے ساتھیوں کو بارش سے بچائیں۔

MashalBooks.org

ایک چھوٹی سی لڑکی نے فریاد کی، میرے مینڈک اور کیکڑے گئے۔''

پیا نگ ذمہ داریوں کے بوجھ تلے سے بولی: ''رکو، اگر اب تم نے گلوخ کو اکٹھا نہ کیا تو پھر جانور بھاگ کر دور نکل جائیں گے۔''

دریں اثنا پیا نگ نے چھوٹے بھائی کو ساتھ چمٹا لیا اور پام والا ہیٹ سر پر مضبوطی سے پہنا دیا۔ پھر اتنے زور کا طوفان آیا گویا لاکھوں جانوروں کے کھر تازہ لگائی دوان کی لابوں کو کچل رہے ہوں۔ پام کے جن پتوں تلے بچوں نے خود کو چھپا رکھا تھا، طوفان سے وہ بھی اڑا لے گیا اور پھر اچانک جیسے جادو کر دیا گیا ہو، لڑکے بھی بارش کی سرمستی میں کپڑے اتارے اور بارش میں مستانہ انداز میں دوڑنے، بھاگنے اور گانے لگے۔

مینہ۔۔۔ساون کا مینہ برسا رے

مینہ برسا، اناج میرا تھوڑا سا۔۔۔ مینہ برسا

ان ننگے لڑکوں کو دیکھ کر وہ لڑکی کھلکھلا کر ہنس دی جس کے مینڈک اور کیکڑے گم ہو گئے تھے۔ ''اللہ کرے ان پر بجلی گرے۔'' وہ زور سے ہنسی۔

''تم بجلی سے ڈرتے ہو؟ مینڈکی۔'' بجلی کی چمک کے فوراً بعد ایک لڑکی نے پوچھا۔

مینڈکی نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا اور بڑی مشکل سے ''ووو'' سے ملتی جلتی آواز نکالی۔

''ہاں، ڈرتا ہے۔'' پیا نگ نے جلدی سے کہا۔ یہ جتانے کے لئے کہ ممنوعہ باتوں کی بھی حد ہوتی ہے۔ ان کے خلاف نہیں بولنا چاہیئے۔ ''اپنا منہ بند رکھو۔'' اس نے مزید کہا: ''جب تمہارا منہ کھلا ہوتا ہے تو یہ ڈم ڈم کی طرح لگتا ہے۔''

''تم مجھ سے ڈرتے ہو؟'' بون سریما زور لگا کر آگے آئے، اس کا ایک لٹکا ہوا بازو یوں پھیلا تھا جیسے کوئی برچھی ہو۔ بون سریما کا کٹا پھٹا جسم پیدائشی ایسا تھا۔ ہاتھوں کی انگلیاں نہیں تھیں۔ ''احمق لڑکے تم مردوں سے نہیں ڈرتے، ایک مسخ شدہ انگلیوں سے محروم لڑکی سے کیا ڈرو گے۔''

ہاں جب بوڑھا چودھری مرا تھا تو پریم اس کی لاش دیکھنے اس کے لئے گھر آیا تھا۔ موت کوئی پر اسرار راز نہیں تھی۔ لاش ایسی ویران سی تھی جیسے خالی گھونسلہ، جس میں سے پرندے

MashalBooks.org